جِنّات کا آقا

ایک صوفی ناول

از

اِروِنگ کارچمَر

ترجمہ

عثمان منیر سراجی حقانی

نظرِ ثانی

جواد حبیب اللہ سواتی

محمد ندیم کھوکھر سراجی حقانی

حاشیہ

محمد ندیم کھوکھر سراجی حقانی

یہ قصہ ہے راہِ شوق کا، یہ ایک کہانی ہے جس کا آغاز شاہراہِ دل پہ ہوتا ہے، ایک روحانی مہم جس میں دورِ جدید کے ایک صوفی شیخ سات ساتھیوں کو دورِ عتیق کے عظیم ترین خزانے، طاقت کی اصلی --- سلیمانی --- انگوٹھی کی تلاش میں بھیجتے ہیں۔ یہ وہی سینکڑوں داستانوں میں مذکور انگوٹھی ہے جو حضرت سلیمان بادشاہؑ کو اللہ تعالیٰ نے، ہبتناک آتشیں عفریت، جنوں پر حکومت کرنے کے لیے عطاء فرمائی تھی۔

سمندروں اور صحراؤں میں ان کے راہنما ایک عجیب فقیر ہیں جن کے کئی نام ہیں۔ تند و تیز ترین طوفانوں سے گزرتے ہوئے یہ مسافر آخرِ کار ایک قریۂ گم گشتہ میں عالمِ لطیف کی دہلیز تک جا پہنچتے ہیں جو جنوں کی سرزمین ہے۔

لیکن یہ مہم اس سفر کے لیے منتخب ہر فرد پر ایک عجیب انداز میں اثر انداز ہوتی ہے: اوہام اور اشکال ان کے خوابوں میں داخل ہو جاتی ہیں، ان کے دل یادوں اور آنسوؤں سے لبریز ہو جاتے ہیں اور اس کے ساتھ اسرار ہی اسرار؛ کسی اور دنیا کے طوفان اور کبھی نہ ختم ہونے والی رات، آخر جنت کے دروازے کھلتے ہیں اور آتشِ بے دخان کے نا قابلِ شکست عفریت۔

اس قصے کی بُنَت میں عہد نامۂ عتیق، تالمود، اور قرآن میں مذکور قدیم داستانیں شامل ہیں اور اگرچہ یہ درپیش تو زمانۂ حال میں ہے لیکن انگوٹھی کی حقیقت کی کھوج انہیں قضاء کے ماورائے زماں دائرے میں لے جاتی ہے جہاں یہ ساتھی نہ صرف جنات کے انجام کو بلکہ طریقِ عشق اور اللہ تعالی کے بے پناہ رحم کو بھی دریافت کر لیتے ہیں۔

ابتدائیہ

بلکہ انسان خود ہی اپنے آپ کو خوب جانتا ہے۔

--- القرآن، سورۃ القیامۃ:۱۴

اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان اور رحم والا ہے۔

میں، اسحاق، لکھنے والا --- مجھے میرے مالک نے حکم دیا ہے کہ اپنے سفر کی روداد بیان کروں، جس سے، اپنے ساتھیوں میں سے صرف میں ہی، اللہ کی رحمت سے واپس لوٹا ہوں۔

علی اور رامی نہیں رہے۔ میں نے خود انھیں آگ میں داخل ہوتے دیکھا۔ اور دلوں کا حال جاننے والا جاسوس بھی شعلوں میں جا کودا۔

عبرانی بزرگ اور اس کی بیٹی کا کیا بنا، میں نہیں جانتا، اور نہ ہی یہ کہ اُس عظیم کیپٹن کا کیا ہوا۔ میں انھیں نکل جانے کا کہتا رہا، مگر وہ نہیں نکلے۔

البتہ مجھے ایک بات کا یقین ہے: وہ عفریت ابھی بھی وہاں منتظر ہے۔ بالزیبول ___ آقائے جنات*۔

---

*ہمارا ایمان ہے کہ شاہِ جنات، حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر اب تک ہمیشہ مسلمان رہا ہے، واللہ اعلم۔

عنقریب دکھائیں گے ہم انہیں اپنی نشانیاں آفاق میں بھی اور ان کے اپنے نفوس میں بھی۔

--- القران سورۃ الفصلات: ۵۳

صبح کی پہلی کرن کے ساتھ ہی کالے گبریلے کیڑے ریت سے نکل کر وسطی صحرا کی ریتلی پہاڑیوں پہ عبادت کے لیے بھاگے چلے جاتے ہیں۔ صحرا کے نشیب و فراز پہ قطار در قطار کھڑے ہوئے، وہ سورج کا رخ کر کے یوں جھکتے ہیں جیسے رسم بندگی میں سجدہ ریز ہوں ---- سورج کی حرارت پہ اپنا پیچھا اٹھائے، صحرا کی ٹھنڈی رات کی اوس جمع کرتے ہیں، جو پانی کے ننھے قطروں کی صورت ان کے سخت خول پہ لڑھکتی ان کے منتظر دہانوں میں جا گرتی ہے۔

میری آنکھیں اس منظر پہ اشکبار ہو گئیں --- میرے آخری آنسو۔

"یہ ہے اس رحمٰن و رحیم کی جیتی جاگتی نشانی"، میں نے سوچا، "یہ عبادت جو ہر صبح پرورش پاتی زندگی کی صورت مقبول ہوتی ہے"۔ کیا ہو کہ میرے اپنے دل سے بھی ایسا جوگ چھلکتا ہو، میرا اپنا سینہ ایسے ہی بےخوف یقین سے لبریز ہو، اس سہمی سی دھڑکن کی جگہ۔ یہ منحوس دھڑکن --- خواہش اور شک کا سنگم، جو شاید انسان کی قسمت ہے۔

مالک نے یہ تلقین بھی خوب کی۔ وہ میرے شکوک اور میری خواہش سبھی جانتے تھے۔ شروع سے، بہت پہلے کے اُس دن سے اس دیدۂ بینا کے سامنے سب آشکار تھا۔

میں پھر سے ساری رات بغیر پانی کے چلتا رہا تھا۔ شمال مغرب کی طرف اس عرق[ا] کوعبور کرتے ہوئے، ریت کا وہ عظیم سمندر ۔۔۔ تینیری[ب] ۔ میرا ارادہ تھا کہ آگادیز[ج] جانے والی سڑک کو پا لوں۔ لیکن پو پھٹنے سے تین گھنٹے قبل میری ہمت جواب دے چکی تھی اور میں نڈھال ہو کر ہلال جیسی ایک چھوٹی ریتلی پہاڑی کی ڈھلان کے ساتھ گر پڑا۔ اور صحرا کی سرد رات کے خلاف کچھ حرارت پانے کو میں نے خود کو برچھن[د] میں دھنسا لیا۔

ہوا تھم چکی تھی اور میں اماوس آسمان پہ ستارے دیکھ سکتا تھا۔ میں عجب طور پہ بے خوف تھا، حالانکہ میں جانتا تھا کہ ایک اور دن زندہ نہیں رہ سکوں گا۔ میرا ذہن ان ستاروں کی مانند کہیں دور، پر سکون ، شفاف تھا۔ وہ غم اور مایوسی جس نے مجھے پہلے گھائل کر رکھا تھا اب جیسے ختم ہو چلی تھی، میرے جسم کی نمی کے ساتھ بہہ چکی تھی، میرے دن رات کے سفر میں کہیں گم گئی تھی۔ میں سمجھ نہیں پایا کہ کیوں۔ شاید مجھے سکینہ کا کچھ حصہ عطا ہو گیا تھا ، قلب کا وہ اطمینان جو صرف اللہ کی رضا کے سامنے سر تسلیم خم کرنے سے ملتا ہے، یا شاید میں پاگل ہو گیا تھا، دھوپ اور پیاس سے بے خود۔ لیکن میری آنکھیں بند ہوتے وقت نہ مجھے سانپ کا ڈر تھا نہ بچھو کا، نہ کسی جنگلی جانور کا اور نہ ہی موت کا۔ میں بے سپنا اور تہی، بنا سوچ و سمجھ پڑا رہا، اور صبح ہو گئی۔

جب روشنی سے میری آنکھ کھلی تو چند لمحے میں خود کو حالت خواب میں ہی سمجھتا رہا۔ اس ماندہ حالت میں میں اپنے ارد گرد اچانک

[ا] ریت کا وسیع میدان۔

[ب] صحارا: افریقہ کا عظیم صحرا۔

[ج] افریقہ کے ملک نائجر کا شہر۔

[د] قوس کی شکل کا ریت کا ٹیلہ۔

اٹھتے بھنوروں کا ادراک نہیں کر پایا جو میری چونکی ہوئی آنکھوں کے سامنے جسیم کالے دھبوں کی طرح منڈلا رہے تھے۔ میں نے ایسا منظر پہلے نہیں دیکھا تھا اور میرا پہلا خیال یہی تھا کہ یہ مجھے کھا جانے کو آئے ہیں۔ میں نے فوراً خود کو ریت سے نکالا اور پیٹ کے بل دور ہونے لگا، لیکن میں حیران ہوا جب وہ مجھے نظر انداز کرتے ٹیلوں کی جانب بڑھتے گئے تا کہ سورج کے رخ، اس قدیم ترین مؤذن کی پکار پر، عبادت کے لئے قطار اندر ہو سکیں۔

میں نے ان کی عبادت کا ثمر پانی کے پہلے قطروں کی صورت ان کے جسموں پہ بہتا دیکھا تو میری آنکھیں بھر آئیں۔ میں اپنے دکھتے جسم کو دھکیل کر طلوع ہوتی صبح کی جانب جھک گیا اور اپنی پیشانی ریت پہ ٹکا دی۔

میں اَلرّحمٰن کو پکار رہا تھا کہ اسی وقت طوارق[أ] آن پہنچے۔ میری دعا کا جواب شاید اتنا ہی تیز تھا جتنا ان بھنوروں کی عبادت کا ثمر قبولیت۔ کسی آسیب کی طرح وہ سوار آہستہ آہستہ قریب آتے گئے۔ نقابوں کے پیچھے ان کی ترچھی نگاہیں پر احتمال تھیں۔ وہ متذبذب تھے کہ انہیں کوئی مجنون ملا ہے یا کوئی عفریت۔

وہ نمک کی تجارت کے پرانے راستہ پہ حجوج ستارے سے راہ کا تعین کرتے رواں تھے اور یقیناً انہیں کبھی صبح کے شکار پہ ایسا صید نہیں ملا ہو گا۔ انہوں نے جب میری جانب رخ کر کے استعاذی[ب] اشارے شروع کئے تو میں نے اپنا سر ہلایا، لیکن جب انہوں نے مجھ سے بات کرنے کی کوشش کی تو میں خاموش رہا۔ میں ان کی زبان تماشیک کے چند الفاظ ہی سمجھ سکتا تھا

[أ] صحارا کے خانہ بدوش قبائل۔

[ب] شیطانی اثر سے بچنے کے اشارے۔

حالانکہ میں نے نیلی قندورہ[1] پوشاک بھی پہن رکھی تھی۔ جب انہیں کچھ نہ سوجھا کہ میرا کیا کریں تو وہ مجھے اپنے قافلے کے پڑاؤ میں لے آئے۔

ہم وہاں ان کے مودوگو، ان کے قافلے کے امیر، کی واپسی کے منتظر تھے۔ اس دوران انہوں نے مجھے چمڑے کی بوتل سے پانی پلایا۔ میں ہر گھونٹ پہ اللہ جل شانہ کا شکر ادا کرتا، ہر سانس کے ساتھ اپنی نجات پہ اس کی حمد بجا لاتا۔ آہستہ آہستہ میری حالت بہتر ہونے لگی۔ کچھ دیر میں مودوگو پہنچ گیا، اس نے ایک لمبی تلوار سرخ نیام میں لٹکا رکھی تھی۔ اس کی آنکھوں کے سوا اس کا سارا چہرہ ایک کالی دستار سے چھپا تھا، لیکن میں اس کی آنکھوں سے اسے جان گیا، وہ افرنو تھا۔

میں اور افرنو پہلے بھی مل چکے تھے۔

"آہ"، وہ سواری سے اترے بغیر پکارا "میں تو اب تک تمھیں مردہ گردان چکا تھا۔ باقی کہاں ہیں؟"

وہ فرانسیسی اچھی اور عربی بری بولتا تھا، لیکن جب میں نے دونوں زبانیں سن کر اسے جواب نہ دیا تو وہ اترا اور مجھے قریب سے دیکھنے لگا۔ میں نہیں جانتا اس نے کیا دیکھا کیونکہ اس کے بعد وہ مجھ سے یوں مخاطب ہوا جیسے کسی جھلے سے بات کر رہا ہو۔ اس نے آہستہ آہستہ بولتے ہوئے بتایا کہ اس کے اونٹ تسیمت کے نمک سے لدے ہیں اور اس کی منزل نائجر میں دمرگو کی منڈی ہے جہاں وہ اس نمک کے بدلے باجرا خریدنے کا ارادہ رکھتا

---

[1] الجزائر میں استعمال ہونے والی پوشاک۔

ہے۔ اس کے باوجود وہ بادلِ نخواستہ میرے لیے ایک آدمی اور دو اونٹ مہیا کرے گا جو مجھے اس کے باپ تک لے جائیں گے، جو شرفا کا امینوکل[1] ہے۔

اونٹ کی ڈولی تیار کی گئی اور الوداعی کلمات کے بغیر میں اور میرا رہبر روانہ ہو گئے ۔ ہم دو دن میں تینیری عبور کرتے اگادیز جا پہنچے --- جہاں میں ابھی بھی مقیم ہوں۔ امینوکل کی بیوی اور ایک بوڑھی خادمہ اس سادہ سے گھر کے ایک چھوٹے کمرے میں میری دیکھ بھال کرتی ہیں۔

مجھے معلوم ہوا کہ امینوکل کیل ھاگ کے تین قبائل کے ڈھیلے ڈھالے وفاق پہ اختیار رکھتا ہے۔ ساتھ ساتھ وہ اپنے قبیلے کا امرار، یعنی امیر طبل جنگ بھی ہے۔ ایک زمانے میں جنگجو رہنے والے طوارق قبائل کے لیے حاکمیت کی اس سے بہتر علامت شائد ہی کوئی اور ہو، لیکن یہ پرانے وقتوں کی باتیں ہے۔ برسوں کے فرانسیسی راج سے پرانے اطوار بہت بدل گئے ہیں۔

اپنے اخلاق و اطوار میں امینوکل اپنی چھوٹی سی بادشاہت کو کسی امتیازی پوشاک کی طرح برتتا ہے۔ اس کی مہمان نوازی لاثانی اور اس کے اخلاق اعلٰی ہیں۔ وہ ایک عمر رسیدہ شخص ہے جس کی تمکنت اس کے خانوادے کو مزید ممتاز کرتی ہے۔

وہ میرے سرہانے کھڑا ہوا اور سنجیدگی سے میرا جائزہ لیتا رہا۔ اس نے میری حالت کے بارے میں کوئی سوال نہیں کیا اور میرا لکھا ہوا خط خاموشی سے تھام لیا۔ شاید میں صحرا میں آوارہ گردی کرنے والا پہلا دیوانہ نہیں تھا، یا پھر شاید اسے مجھ سے کسی انعام کی توقع تھی۔ بہر حال وہ ایک رحم دل اور

---

[1] طوارق قبیلے کا سردار۔

فیاض میزبان ثابت ہوا۔ شاید اس کے پیش نظر وہ عرب مقولہ تھا: "نیکی کر دریا میں ڈال، تجھے اس کا ثمر مل کر رہے گا"۔

لیکن وہ دونوں عورتیں ہر روز دروازے کے سامنے بیٹھی فکر مندی سے کھسر پھسر کرتی رہتیں، سوچتیں کہ میں صحرا کی سختی کا مارا ہوا ہوں یا سحر کا ۔۔۔ محض دھتکارا ہوا ہوں یا پھر ملعون۔

سوچتی رہیں۔

اب میرے قلم دوات اور صاف کاغذ میرے سامنے ہیں۔ میرا جسم مندمل ہو چکا لیکن میری خاموشی ابھی بھی برقرار ہے۔ صحرا میں بھاگ نکلنے کے بعد سے میں کچھ نہیں بولا، لکھاری ہونے کے اس فرض کے سوا ہر چیز کے لیے خاموش۔ یوں بھی اس پوری داستان کا احوال سنانے کے علاوہ اور کسی بھی چیز کے لئے الفاظ کا استعمال بے معنی ہے۔

اللہ میرا حافظہ واضح رکھے۔